کیا کیا رکاوٹیں پیدا نہیں کیں اور کن کن مشکلات و موانع کو انکی راہ میں لا کھڑا نہیں کیا۔ یہ کیوں؟ محض اسلئے کہ توحید کے اس تصور سے جس کو آنحضرت ؐ نے پیش کیا، بت پرستی کا وہ پورا ڈھانچہ منہدم ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے معاشی درجے کو قائم رکھے ہوئے تھے، اور جس کی وجہ سے ان کو اقتدار و تفوق حاصل تھا۔ جنگ احزاب اس سلسلہ کی نہایت ہی ہولناک کڑی ہے' اس وقت مسلمانوں کی کیا کیفیت تھی، اور اسی مصیبت نے ان کو کس نفسی اضطراب میں ڈال دیا تھا اس کا نقشہ خود قرآن کے الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہِ علیکم اذ جاء تکم جنود فارسلنا علیہم ریحًا وجنودًا لم تروھا وکان اللہ بما تعلمون بصیرًا ۰ اذ جاؤکم من فوقکم و من اسفل منکم و اذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالًا شدیدًا ۔

مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو، جو اس نے تم پر کیا تھا۔ جب کہ تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے۔ تو ہم نے آندھی بھیجی اور آندھی کے علاوہ فرشتوں کی فوج جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اور اس وقت جو تم لوگ کر رہے تھے۔ اللہ دیکھ رہا تھا۔ جس وقت کہ دشمن تم پر تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اترے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی چلے اور مارے خوف کے تمہاری آنکھیں پھری کی پھری رہ گئیں تھیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور خدا کی نسبت تم طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے ۔

دوسرا فائدہ اس طرح کی آزمائشی مصیبتوں سے یہ پہنچتا ہے۔ کہ قوموں کے اندر دفاع و مقابلہ کی جو مخفی قوتیں اللہ تعالے نے ودیعت کر رکھی ہیں وہ بروئے کار آتی ہیں اور کامیابی و کامرانی کا حصول زیادہ متیقن ہو جاتا ہے۔ الا ان نصر اللہ قریب کا یہی مطلب ہے۔ غرض یہ ہے، کہ اگر نصب العین صحیح ہے، اور اس کے ساتھ ایک طرح کی لگن اور عشق بھی ہے تو مخالفت اور عناد کی آندھیوں سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہی مخالفت و عناد آخر کار فلاح و حصولِ مرام کا ذریعہ بھی ثابت ہوتی ہے ۔

پھر چونکہ ان مخفی قوتوں کو بروئے کار لانے سے، قوموں میں صبر و استقامت کے داعیے ابھرتے ہیں۔ عزم و حوصلہ بڑھتا ہے، اور مصائب و محن کو ہنسی خوشی برداشت کر لینے کی خو بھی پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے تیسرا فائدہ ان سے یہ حاصل ہوا کہ قوم میں کردار و سیرت کی تخلیق ہوئی ۔ مگر ان سب فوائد تک اسی وقت رسائی ہوگی اور سختیوں اور آزمائشوں کو راحتوں اور مسرتوں سے اسی وقت بدلا جا سکے گا، جب قوم زندہ ہو۔ زندہ رہنا چاہتی ہو۔ اور اس کو اپنے اختیار کردہ نصب العینوں پر یقین ہو۔ جب اس کا مزاج رجائی ہو اور قنوط و یاس کی وسوسہ اندازیوں نے اس کے حوصلوں کو پست نہ کر دیا ہو۔ کیونکہ اگر قوم بے جان ہے، زندگی سے مایوس ہے، اور کوئی اخلاقی یا روحانی نصب العین ہی اپنے سامنے نہیں رکھتی، تو مصائب کا ایک ہی وار اس کو ختم کر دینے کے لئے کافی ہے ۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب: اِس آیت میں ایک نکتہ اور قابلِ غور ہے، نجات کو اسلام نے کلیۃً افراد کے ساتھ وابستہ رکھا ہے اور کسی طور پر بھی اس کو جماعتی جدوجہد کے ساتھ مشروط نہیں ٹھہرایا۔ چنانچہ قرآن کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کے اعمال کا فیصلہ اس کی ذاتی کوششوں کی بنا پر ہوگا۔

كل نفس بما كسبت رهينة

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے

اس سے دوسروں کی بابت ہرگز نہیں پوچھا جائیگا گویا اخروی بازپرس اور جوابدہی کا تعلق صرف اس کے اپنے اعمال سے ہے —— لیکن اس آیت کا انداز بیان ایسا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجات یا حصول جنت اجتماعی کوششوں پر موقوف ہے۔ جب تک کوئی گروہ مصائب و محن کا مقابلہ نہیں کرتا۔ اور اسلامی نصب العین کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے آزمائش و ابتلاء کی بھٹیوں میں تپایا نہیں جاتا اور اس سلسلہ میں سیرت و کردار کی پختگی و استواری کا عملی ثبوت مہیا نہیں کرتا۔ اس وقت تک اللہ کی بخششوں کا سزاوار نہیں ہوسکتا —— اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ حقیقتاً نجات و بخشش کا معاملہ ذاتی اور انفرادی ہی ہے اور جماعت اور گروہ پر موقوف نہیں لیکن خود یہ ذات و فرد چونکہ معاشرہ کا جزو لاینفک ہے اور اس کے اعمال کا دائرہ اجتماعی زندگی کے دائرہ سے ملا ہوا ہے۔ اسلئے اس سے ان ذمہ داریوں کی بابت بھی سوال کیا جائیگا کہ جو اس پر بحیثیت ایک ملت و قوم کے عائد ہوتی ہیں۔ اور پوچھا جائیگا کہ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تم نے کیا کیا تدبیریں اختیار کیں! اور ان آزمائشوں اور سختیوں کے مقابلہ میں کس درجہ صبر و تحمل کا ثبوت دیا۔

ازدواجی زندگی کیلئے اہم قانونی تجاویز

مصنفہ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری
قیمت
ایک روپیہ

افکار ابن خلدون

مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی
قیمت ساڑھے تین روپے

اِسلام اور رواداری:

مصنفہ مولانا رئیس احمد جعفری
قیمت چھ روپے

ملنے کا پتہ، سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور۔ (پاکستان)

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

ایک حدیث

تمنّائے شہادت

بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی میں حضرت انسؓ سے حضور اکرمؐ کا ایک فرمان یوں مروی ہے:

ما احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا ولہ ما علی الارض من شیٔ الا الشھید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من فضل الشھادۃ۔

جنت میں پہنچنے کے بعد کوئی شخص بھی دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرتا کیونکہ زمین پر اس کا کچھ نہیں رہ جاتا۔ مگر شہید جب شہادت کے انعامات کو دیکھتا ہے تو یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ کاش وہ دنیا میں لوٹا دیا جائے اور دس بار قتل ہو۔

اس حدیث کی تشریح سننے سے پہلے ایک ضروری بات یہ ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ قرآن اور حدیث کی زبان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا خود اللہ اور اس کے رسولؐ میں ہے۔ عربیت سے معمولی ممارست رکھنے والا بھی اس حقیقت سے بیخبر نہیں کہ قرآن کا انداز بیان ہی کچھ ایسا ہے کہ زبانِ رسالتؐ سے صاف ممتاز ہو جاتا ہے۔ ادنیٰ عربی دان بھی جانتا ہے کہ قرآن رسول اللہؐ کی زبان نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں احادیث میں زیادہ تر حصہ ایسا ہے جو بعینہٖ رسولؐ کے الفاظ میں نہیں۔ احادیث کا نوّے فیصد حصہ روایت بالمعنی ہے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی زبان بالکل جداجدا گانہ حیثیت کی حامل ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سی اصطلاحات ایسی ہیں جو قرآن میں تو موجود نہیں لیکن احادیث اور فقہ میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:

(۱) وضو یا توضی قرآن میں نہیں۔ قرآن میں طریقۂ وضو تو ہے لیکن لفظ وضو کی اصطلاح اس میں نہیں۔ یہ اصطلاح احادیث میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ اور اس سے ایک بڑا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ "فاغسلوا وجوھکم ..... الی الکعبین"۔ کی پوری ترجمانی ایک لفظ میں ہو جاتی ہے۔

(۲) یا مثلاً یمین لغو کی اصطلاح فقہ میں اُس قسم کے لئے ہے جو ماضی پر کھائی جائے اور وہ بھی خطاءً ہو لیکن قرآن میں لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم الخ اس معنی میں نہیں بلکہ یہ وہ قسم ہے جو کسی ارادے کے بغیر روا روی میں کھائی جائے۔ اگر ماضی پر عمداً قسم کھائی جائے تو اسے فقہ میں "یمین غموس" کہتے ہیں۔ فقہ میں ان دونوں قسم کی قسموں کا کوئی کفارہ نہیں۔ کفارہ جس قسم پر ہے اسے "یمین کفارہ" کہتے ہیں، جو مستقبل پر کھائی جائے۔ اور اللہ کے نام یا کسی صفت کے ساتھ کھائی

جائے، قرآن میں یمین غموس کا کوئی لفظ نہیں، اور نہ ماضی و حال و مستقبل کی کوئی تصریح ہے ۔

غرض ایسی متعدد اصطلاحیں ہیں جو قرآن میں سرے سے نہیں اور احادیث و فقہ میں ہیں یا قرآن میں اگر ہیں تو کسی اور معنی میں ہیں اور احادیث و فقہ میں ہیں تو کسی اور مفہوم کے لئے ہیں۔ ایسا کیوں ہے، اور اس کا آغاز کس طرح ہوا اور اس کے نتائج کیا ہیں؟ یہ سوالات بڑے اہم ہیں لیکن ان کا جواب اس وقت میرے پیشِ نظر نہیں۔

کہنا صرف یہ ہے، کہ لفظ شہید بھی ایک ایسی ہی اصطلاح ہے جس کا قرآنی مفہوم کچھ اور ہے پھر آگے چل کر کچھ اور ہوتا گیا۔ قرآن کریم میں لفظ شہادت اور اس کے مشتقات کم و بیش ستّو جگہ ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے، کہ کہیں بھی اس مفہوم میں نہیں جس میں ہم لوگ ہمیشہ سے استعمال کرتے آئے ہیں۔ ہمارے سامنے جب لفظ شہید آتا ہے تو چشم تصور میں ایک ایسا لاشہ آ جاتا ہے جس کا سر دھڑ سے الگ ہو چکا ہو، اعضا کٹے ہوئے ہوں، خاک و خون میں جسم لتھڑا ہوا ہو اور بے حس و حرکت میدانِ جہاد میں یا قبر میں پڑا ہو۔ لیکن قرآن میں "شہید" ان معنوں میں کہیں نہیں آیا ہے۔

شہید خدا بھی ہے: ان اللہ علیٰ کل شئ شہید

شہید رسولؐ بھی ہے: و یکون الرّسول علیکم شہیدا

شہید اُمت بھی ہے: لتکونوا شہداء علی الناس

لفظ شہید و شہادت کی تفسیر اس وقت پیشِ نظر نہیں۔ تاہم اتنا سمجھ لینا چاہیئے، کہ ایمان کی سچی عملی گواہی کو شہادت کہتے ہیں۔ یہ گواہی زبان سے بھی ہوتی ہے، ہاتھ پاؤں سے بھی، مال سے بھی اور جان سے بھی غرض جس چیز سے بھی ایمان کی عملی گواہی دینے کا موقع ہو اس چیز سے گواہی دینے والا شہید ہوتا ہے، عزت، عہدہ، وطن، اقارب، خویش، وقت، دل، دماغ، اعضاء و جوارح، زبان، جان، مال جس چیز سے گواہی دینے کا وقت آئے، اسی چیز سے گواہی دینی شہادت ہے۔ اگر زندہ رہ کر گواہی دینی پڑے تو زندہ رہنا شہادت ہے اور مر کر یہ گواہی دینے کی ضرورت پیش آئے تو مر کر گواہی دینی شہادت ہے۔ یعنی صرف مر جانا ہی شہادت نہیں۔ زندہ بھی اسی طرح شہید ہو سکتا ہے جس طرح مرنے والا۔ قرآن نے راہ خدا میں مارے جانے کیلئے شہادت کا لفظ نہیں بلکہ قتل فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا ہے: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات اور ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا۔

ہم یہ نہیں کہتے، کہ راہ خدا میں جان دینے والا شہید نہیں ہوتا۔ وہ بھی شہید ہوتا ہے لیکن صرف وہی شہید نہیں ہوتا زندہ بھی شہید ہوتا ہے اگر وہ اپنی زندگی سے شہادتِ ایمانی پیش کر رہا ہو۔ پس شہید صرف عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ ہی نہیں ابوبکرؓ بھی شہید ہیں۔ فقط حمزہؓ ہی شہید نہیں رسول اللہؐ بھی شہید ہیں۔ صرف حسینؓ ہی شہید نہیں بلالؓ اور ابوذرؓ بھی شہید ہیں۔ ہاں چونکہ جان کے بعد اور کوئی چیز گواہی کے لئے نہیں رہتی! اس لئے لفظ شہید کا اطلاق اس پر ایسا ہی ہے جیسے فردِ اکمل پر کسی چیز کا اطلاق ہو۔ لیکن یہ ہر وقت پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ شہادت صرف اسی کے ساتھ مخصوص نہیں

جنگ میں کافر کے ہاتھ سے مارا جانے والا شہید ہے اور اپنی موت سے مرنے والا بھی بشرطیکہ سچی عملی گواہی کی ہے۔

قرآن کے بعد احادیث میں لفظ شہید قتیل فی سبیل اللہ کے معنوں میں بکثرت آتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک مختصر سا لفظ ہے جو من یقتل فی سبیل اللّٰہ کی پوری عبارت کا مفہوم ادا کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح فاغسلوا وجوھکم الخ کا پورا مفہوم لفظ وضو میں آجاتا ہے لیکن بعد میں قرآنی اصطلاح کی وسیع عمومیت تنگ ہو کر رہ گئی، اور یہ سمجھا جانے لگا کہ شہید فقط وہی ہوتا ہے جو راہِ خدا میں قتل ہو جائے۔ دُوسرا نہیں ہوتا۔ پھر اس تنگی کے ساتھ ایک دوسری وسعت بھی پیدا ہو گئی یعنی ہر نقصان کو شہادت سے تعبیر کیا جانے لگا۔ آپ ہمیشہ سنتے ہیں کہ فلاں مسجد شہید ہو گئی۔ فلاں مسجد کا مینارہ یا سیڑھی یا محراب یا ممبر شہید کر دیا گیا۔ پھر فلاں کا دانت شہید ہو گیا اتنا ہی رہتا تو غنیمت تھا۔ آگے چل کر پھر یہ ہوا کہ ہر چھنٹے ہوئے بدمعاش کو "شہدا" کہنے لگے۔ جیسے لفظ "حضرت" بزرگوں کیلئے بھی استعمال کرتے ہیں اور بدمعاشوں کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ "بڑے حضرت ہیں"۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ قرآنی اصطلاح سے ذرا سا ہٹنے کا نتیجہ کیا ہوا؟ یا تو اتنی تنگی پیدا ہو گئی کہ صرف مرنے والے ہی شہدا کے لقب سے نوازے جانے لگے یا پھر اتنی وسعت پیدا ہو گئی کہ اوباش قسم کے لوگوں کو بھی شہدا میں داخل کر لیا گیا اور ہر متبرک چیز کا نقصان بھی شہادت کا مترادف ہو گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ مندرجۂ ذیل آیات میں "شہدا" مقتولین فی سبیل اللہ کے معنی میں آیا ہے:۔

.... اولٰئك هم الصديقون والشهداء عند ربهم (حدید ۱۹)

.... من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين

.... وجیٓء بالنبيين والشهداء (زمر ۷۰)

لیکن یہ صحیح نہیں، یہاں شہدا سے صرف وُہ افراد مراد ہیں جن کا ذکر مندرجۂ ذیل آیات میں ہے:

فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد .... (نساء ۴۱)

ويوم نبعث فی كل امة شهيدا عليهم من انفسهم ..... (نحل ۸۹)

ونزعنا من كل امة شهيدا .... (قصص ۷۵)

ہر امت میں سے جو شہید اٹھایا جائے اس کے لئے مقتول ہونا ضروری نہیں۔ یہ کون ہے، کیا ہے، اس کا کیا مقام ہے اور کیا فرائض ہیں؟ یہ مباحث اس وقت زیرِ غور نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ جن آیات سے شہید بمعنی مقتول فی سبیل اللہ نکالا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ قرآنی اصطلاح میں یہ لفظ ایک الگ مفہوم رکھتا ہے جس کی مختصر تشریح اوپر گذر چکی ہے۔

اس پوری گفتگو سے ہماری غرض صرف یہ دکھانا ہے کہ احادیث یا فقہ میں لفظ شہید محض اختصار کیلئے استعمال کیا گیا ہے نہ کہ مقتولِ فی سبیل اللہ کے ساتھ مخصوص کر کے قرآنی عموم کو ختم کرنے کیلئے۔ خود احادیث میں شہید کا لفظ ایسے لوگوں کے لئے